بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اشارات

ہمارا اصل کام اور اساسی سرگرمی کا دائرہ دعوت الی اللہ، دعوتِ حق، دعوتِ دین، دعوتِ اقامتِ دین، دعوتِ ایمان مع الشعور والعلم اور دعوتِ وحدتِ فکر و عمل تھا۔ یہ کام جسے دعوتِ حق یا دعوتِ دین کا مختصر عنوان دیا جا سکتا ہے، قرآن میں اس کے لیے انبیاء علیہم السلام (خصوصاً حضور خاتم النبیینؐ) کے حوالے سے اس درجہ کے تصریف و تکرار سے تاکید شدید وارد ہے کہ جس کے رو سے کسی مسلمان فرد اور کسی مسلمان جماعت کا سب سے بڑا، ہمہ گیر، پوری زندگی پر حاوی، کسی دور میں بھی ناقابلِ ترک، مسلسل تگ و تاز اور قربانیوں اور تحملِ شدائد کا متقاضی عمل یہی ہے۔ یہاں سینکڑوں میں سے چند مختصر آیات یا ان کے اقتباسات عرض ہیں:

قُلۡ هٰذِهٖ سَبِيۡلِىۡۤ اَدۡعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ‌ؔ عَلٰى بَصِيۡرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىۡ (یوسف - ۱۰۸)

"تم (اے نبیؐ) ان سے صاف کہہ دو کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی!"

قُلۡ اِنَّمَاۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ اللّٰهَ وَلَاۤ اُشۡرِكَ بِهٖ‌ؕ اِلَيۡهِ اَدۡعُوۡا وَاِلَيۡهِ مَاٰبِ ۔ (الرعد - ۳۶)

"تم صاف صاف کہہ دو کہ مجھے تو صرف اللہ کی بندگی کا حکم دیا گیا ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے کہ کسی کو اس کے ساتھ شریک ٹھہراؤں، لہذا میں اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے"۔

ـــــ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (النحل-۱۲۵)

" اے نبیؐ! اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو، حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے، اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو"

ـــــ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ .... (حٰمٓ السجدہ-۳۳)

"اور اس شخص کی بات سے بہتر کس کی بات ہوگی، جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے، نیک عمل کرے اور یہ کہے کہ میں مسلم ہوں -

(۲)

اقامتِ دین کا نصب العین حاصل کر کے خوشنودیٔ باری تعالیٰ سے فیض یاب ہونے کے لیے دعوت کا یہ طریق کار اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ فرد فرد یہ کام ہو۔ کوئی مخالفت کرے، کوئی بحث و استدلال کا راستہ پسند کرے، کوئی کٹ حجتیاں کرے، کوئی تذبذب میں رہے، کوئی پوری طرح اسے قبول کر کے اپنی ذات سے فکر و عمل کا مکمل انقلاب شروع کر دے۔ کوئی تضحیک و استہزاء سے کام لے، کوئی جبر و تشدّد کے ہتھکنڈے آزمائے، کوئی صاحبِ دعوت کے اندر سے تبدیلی پیدا کرنے کے لیے خوشامد اور لجاجت سے کام لے۔ کوئی تقاضا کرے کہ تم اپنی دعوت میں فلاں امر کو بھی شامل کرو، یا فلاں جُز کو اس سے خارج کر دو، کوئی روپے پیسے کا لالچ دے، کوئی دوسری دنیوی خواہشات اور تفریحات و تعیشات کا لالچ دلائے، کوئی اپنی کچھ شرائط منوانا چاہے۔

اس طرح داعی الی اللہ اپنے ماحول کو بلو بلو کر مکھن کا ذرّہ ذرّہ حاصل کرتا ہے۔ اس کی ساری کوششیں یہ ہوتی ہیں کہ مکمل دینی فکر و عمل کو رضاکارانہ طور پر اختیار کرنے کے لیے ایک مقررہ معیار دین کے باشعور، ٹھوس اور فعّال افراد دریافت ہوتے جائیں

تاکہ ان کے ذریعے ریت میں سے سونے کے ذرّات تلاش کرنے کا کام مسلسل بڑھتا چلا جائے ۔ یہ لوگ حنیف و یک آہنگ اور نفاق و تضاد سے پاک ہوں ۔ اور قدم قدم پر ٹھٹک جانے والے اور تذبذب میں پڑ جانے والے نہ ہوں ـــ نیز معاشی تنگی اور دوسری مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے ہمت ہارنے والے اور مفاد اور خواہشات اور ماحول کے بے جا تقاضوں کے سامنے جُھک جانے والے نہ ہوں ۔ اُن کے آگے پیچھے طرح طرح کی تحریکیں اور ہنگامے اُٹھتے رہیں ۔ وہ ایک تو اپنا رُخ نہ بدلیں ، اپنے اُصول اور کردار اور متعین کردہ طریقِ کار کو نہ بدلیں ، دوسروں کی غیر متعلق سرگرمیوں پر فدا نہ ہو جائیں اور ان کی موجوں میں نہ بہنے لگیں ۔ نیز اپنا وقت اپنی دینی تحریک اور اس کے اساسی تقاضے (یعنی دعوتِ حق) کے بجائے دوسری دلچسپیوں میں نہ کھپائیں ۔ چاہے بہت روپیہ ملتا ہو ، شہرت حاصل ہوتی ہو ، کسی دائرے میں چوہدراہٹ کا مقام ملتا ہو ۔ بھاری رقوم اور چندے بھی ملتے ہوں ، ووٹ اور سیٹیں زیادہ حاصل ہوں ۔

دوسری طرف ماحول ہوتا ہے جس کا ایک دائرہ گھر اور حکومت ہے ۔ جبریت کے مختلف طریقے ہیں ، ایک ذرائع ابلاغ ہیں ، ایک جاگیردارانہ استکبار ہے ، ایک سامراجیت ہے ، ایک عالمی ڈپلومیسی اور پروپیگنڈے کی قسم قسم کی لہریں ہیں ، متخالف قسم کا تہذیبی و ثقافتی تسلط ہے ، طرح طرح عصبیتیں ہیں ، رنگا رنگ فرقہ بندیاں ہیں ، ادب کا جادو ہے اور روپے کے بُت کی پوجا پاٹ ہے ۔ عورت کو مئے آزادی کا مسموم مشروب پلا کر اُسے جدید ترین استحصال کے جال میں پھانسا جا رہا ہے ، جرائم کا رقصِ خونیں نہ ور پر ہے ، رشوت و خیانت کی جونکیں ہر آدمی کے رگِ گلو سے چمٹی ہوئی ہیں ۔ خوف اور غم پیدا کرنے والے واقعات ہیں ۔ جن کی لہریں دلوں پر ٹوٹی پڑ رہی ہیں ۔ اس ماحول میں ہر داعئ حق اور اس سے اثر پذیر ہونے والا نوخیز بندۂ حق شدید قسم کی مقناطیسی کششوں اور رہزن کی برقی لہروں کے درمیان ایسی بڑی کشمکش سے دوچار ہوتا ہے اور یہ عالم عمر بھر جاری رہتا ہے کہ صرف مضبوط

ایمان، زندہ ضمیر، روشن شعور اور استقامتِ کردار والے لوگ ہی اس وقت تک کھڑے رہ سکتے ہیں جب تک وہ اپنے اندرون اور بیرون کے مدوجزر احوال کی نگرانی کریں اور اپنے مقام پر قدمِ ثبات جما کر مستقلاً قائم رہیں۔

ورنہ کسی بھی لمحے روپے کی کھنک، نگاہ کی لغزش، حرام کی کشش، عہدوں کی طلب خدا کی راہ میں قربانیاں دینے والوں کو روحانی تباہی کے کسی گرداب میں غرق کر دیتی ہیں۔ عقیدوں اور نظریوں میں لچک پیدا کر لینا، اضطرار کے بہانے سے ناجائز کو جائز کر لینا، بڑی بُرائی کے معاملے میں چھوٹی بُرائی کے نظریے کے تحت ہمیشہ کسی نہ کسی بُرائی کا انتخاب کرتا اور کامل اجتناب کے لیے ہاتھ پاؤں نہ مارنا، تبدیلیٔ وقت اور رواج زمانہ کو دلیل و حجت بنا لینا، انتہائی غور و فکر سے طے کردہ حدود کو توڑ دینا، اپنے آپ کو روزی کمانے کی اتنی وسیع سرگرمیوں میں لگا لینا کہ دعوتِ حق کا کام ثانوی اور ضمنی حیثیت اختیار کر جائے، حکومت کے تیور دیکھ کے سہم جانا۔ کسی عالمی سامراجی قوت کی برہمی کے نتائج سے خوف کھا کر تصورات میں لچک پیدا کر لینا اور راہِ عمل یا رفتارِ کار میں آہستہ آہستہ تبدیلی پیدا کر لینا، اپنے خاص خاص اسالیب اور اقدار و روایات پر برسوں کار بند رہنے کے بعد کسی شرعی تقاضے کے بغیر (اور دین و ملّتِ اسلامیہ کی کسی اہم اور واضح مصلحت کے بغیر) ترک کر کے ایسے نئے انداز اختیار کر لینا کہ متاثر لوگ حیران رہ جائیں بلکہ ان کا جو اعتماد قائم ہوا ہو وہ درہم برہم ہو جائے — ماحول کے پاس ایسے کتنے ہی مقاماتِ لغزش ہیں۔ شیطان ہر شخص کے ساتھ اس مقصد سے موجود ہے کہ وہ غلطی اور بُرائی اور کجروی کو خوشنما بنا کے پیش کرے۔

کتنا سخت امتحان ہے؟ داعیٔ حق کے لیے زندگی گویا ایک پُل صراط کی مانند ہے کہ سیدھا چلے تو سلامت، اور اِدھر اُدھر گھومے تو آگ ہی آگ!

خدا کے دین کا کام وہی کر سکتا ہے جو اس امتحان کی حقیقت کو سمجھ لے اور سچے دل سے اس سے عہدہ برآ ہونے کا عزم کرے، نیز ہر نئے متاثرِ دعوت کو بھی اس بات کے لیے تیار کرے کہ وہ حق کی ہدایت اور رسولؐ کے اُسوہ کے

مطابق دین کا کام کرے گا اور مزاحمت و ترغیبات کی تباہ کن قوتوں سے بچے گا۔

دعوتِ حق کا کام دراصل کسان کے کام سے مکمل طور پر مشابہ ہے۔ کسان پہلے ایک محدود و مخصوص قطعۂ زمین میں جانفشانی کرتا ہے۔ کھیت کو ہموار کرتا ہے، جڑی بوٹیوں اور سرکنڈوں اور جھڑ بیریوں کو ایک ایک کر کے اکھیڑتا ہے۔ پھر اس کی مینڈیں اور حدیں درست کرتا ہے، پھر کئی کئی بار ہل چلاتا اور سہاگہ پھیرتا ہے۔ کاشت کے موسم اور بارش کا انتظار کرتا ہے، یا مناسب وقت پر آبپاشی کرتا ہے، پھر جب مٹی کی ضرورت سے زیادہ گیلاہٹ دُور ہو جاتی ہے تو زمین کو بیج ڈالنے کے لیے تیار کرتا ہے، پھر جب وہ بیج ڈالتا ہے تو ایک ایک دانے سے ہزار دانوں کی اُمیدیں لگا کر ڈالتا ہے۔ پھر فصل جب پہلی کونپلیں اور سُوئیاں نکال کر زمین کی تاریکی کے پردے سے سر باہر نکالتی ہے تو ہر پودا اُسے اولاد کی طرح پیارا لگتا ہے، وہ اس کی بڑھوتری کو روز دیکھتا ہے۔ اس کی نگرانی کرتا ہے، اس کے گرد باڑ لگاتا ہے۔ صبح و شام چکر لگا کر اطمینان حاصل کرتا ہے کہ کوئی ہرج مرج تو نہیں۔ موسم، ہوائیں، گھٹائیں، بجلیاں، آندھیاں، بارش کے تیز جھالے، اولے، یہ سب اُس کی فصل پہ اثر انداز ہوتے ہیں، جنگلی جانور اور اپنے مویشی اور آس پاس سے گزرنے والے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کسان کی محنت کو برباد کرنے والے پکے دُشمن ہوتے ہیں۔ ان سے بچاؤ کے لیے وہ کبھی تو بُتے کھڑے کرتا ہے، کبھی کُتے پالتا ہے۔ کبھی آس پاس گھات لگا کے بیٹھتا ہے۔ پھر کچھ دُشمن کھیت کے اندر ہوتے ہیں اور فصل بڑھنے کے ساتھ ساتھ زور پکڑتے جاتے ہیں۔ مثلاً پوہلی، پیازی، ہرن کھُری، گوکھرو وغیرہ قسم کی بُوٹیاں اور بیلیں۔ ان کو تلف کرنے کے لیے نلائی، گوڈائی کا کام ہاتھوں سے یا آلاتِ جدیدہ کی مدد سے کرنا ہوتا ہے۔ انہیں تلف نہ کیا جائے تو فصل کے حصے کی خوراک (کھاد پانی) کا بڑا حصہ یہ طفیلی پودے

لے اُڑیں - دوسری آفت چوہوں، کیڑوں، مکوڑوں، سُنڈیوں، ٹڈوں اور جوؤں کی ہوتی ہے، جو پودوں کو چٹ بھی کرتی ہے اور طرح طرح کی بیماریوں میں بتلا کرتی ہے۔ اور مستقل طور پر کھیت کو خطرناک بنا دیتی ہے۔ اس حملہ آور لشکر سے فصل کو بچانے کے لیے کیمیکل ادویہ کو بطور اسلحہ استعمال کرنا ہوتا ہے - ایک آفت ٹڈی دَل کی ہوتی ہے کہ جو اگر ٹوٹ پڑے تو نباتات کو، خصوصاً سرسبز فصلوں کو وہ ایک رات میں ایسے چٹ کر جاتی ہے کہ ایکڑوں رقبہ سپاٹ ہو جاتا ہے -

ان آفات کے حملوں کی بوچھاڑوں کے درمیان کسان جوانمردی سے اپنی جدوجہد جاری رکھتا ہے - اور اگر دس سال کے اوسط حاصل کو دیکھا جائے تو وہ متوقع پیداوار کا ۵۰، فی صد گنوا دیتا ہے، بقیہ کو بچا لے جاتا ہے۔

کسان کا یہ کام ہوتا رہے تو آٹا کی ملوں سے آٹا ملتا رہے گا - اور کپڑے کے کارخانوں سے کپڑا ملتا رہے گا - اسی طرح کھانے کے تیل، مختلف سبزیاں اور پھل مارکیٹوں میں دستیاب رہیں گے - نیز دودھ، دہی، مکھن، انڈے سب کچھ مہیا ہوتے رہیں گے، مٹھائیاں اور بسکٹ بنتے رہیں گے۔

لیکن اگر کسانوں کی کوئی پاگل نسل پیدا ہو جائے تو وہ جب یہ مشاہدہ کرے گی کہ آٹا اور کپڑا مشینوں سے مل رہا ہے - باقی ساری چیزیں تیار بر تیار مارکیٹ سے دستیاب ہیں تو پھر اتنی جانفشانی کا ہے کے لیے کہ آدمی مٹی میں مل کر مٹی ہو جائے۔ اس خیال سے یہ پاگل کسان یہ تحریک چلا دیتے ہیں کہ ہم سب کو چاہیے کہ ہم اتنی بھاری محنت میں جی جان نہ گھلائیں - اور کارخانوں سے اور مارکیٹوں سے ضرورت کی اشیاء حاصل کریں - اور ذرا زیادہ وسیع اور بڑے کاموں کی طرف متوجہ ہوں -

ان حواس باختہ کسانوں کو دو ایک سال گذارنے کے بعد اندازہ ہو جاتا ہے کہ معیشت کی ساری مشین رُک گئی ہے - اور سائنس کے شعبدے اور ایجادیں اور دیوقامت مشینیں بدحالی کا سوگ منا رہی ہیں -

اِس مثال سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سارے بڑے بڑے کاموں اور

اُونچے اُونچے اداروں کا دارو مدار دعوتِ حق کے اُس شیدائی اور اشد ضروری کام پر ہے جس کے لیے انبیاء وصُلحا نے زندگیاں کھپا دیں - بارہا ان کی فصلیں اُجڑیں ، بارہا دشمنوں نے ان کا صفایا کر دیا - لیکن وہ از سرِ نَو اسی کام میں لگ گئے - بعض نے برسوں کی محنت سے سو پچاس پودے خیر و خوبی کے پروان چڑھا لیے ، بعض کا حاصل اس سے بھی کم رہا ہو - اور بعض کی فصل ایسی لہلہائی کہ یَغِیظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ کا سماں پیدا ہو گیا - یہی فصل ہے جس کا پھل ہر خدائی کسان کو آخرت میں میزان پر تُل کر ملے گا -

ہم جماعت اسلامی کے لوگوں کو پہلے دن سے یہ درس دیا گیا تھا کہ یہاں پروگرام کسان کے سے کام کا ہے - محنت سے معاشرے کے اندر ہر شخص کو کوئی کھیتی تیار کرنی ہے ، پھر زمین کو بنانا ہے ، پھر ایک ایک بیج اُس شان کا بونا ہے جس کے لیے قرآن میں ہے کہ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ - کلمہ طیبہ کا بیج بو کر ایک ایک فرد کے سینے سے ایمان و کردار کا شجرۂ طیبہ اُگا دکھانا — یہ ہے اصل کام !

ہمیں تلقین کی گئی تھی کہ کسی حال میں بھی اس کام کو کمزور نہ ہونے دینا ، کسی حال میں یہ نہ سوچنا کہ کتنے پودے اُگیں گے ؟ کتنے پروان چڑھیں گے ؟ کتنی بالیں ، بٹے یا خوشے لائیں گے اور ان کا کیا مول ملے گا اور ہماری محنتوں کا محنتانہ بھی وصول ہو گا یا نہیں ؟ یہ معاملات اللہ تعالیٰ سے متعلق ہیں جس کی ہم رعیت اور ملازم ہیں - اور جس کے بتائے ہوئے طریق پر ہمیں انسانی دل و دماغ میں کلمۂ طیبہ یا دعوتِ حق کی کاشتکاری کا کام کرنا ہے - اس بے لوث عبادت و خدمت کا اصل پھل اور اس کی پوری اُجرت ہمیں آخرت میں ملنی ہے ، جس کا ہم سے وعدہ کیا گیا ہے - اس اہم کام کے لیے ہمیں دوسری ذاتی دلچسپیاں اور ترقیوں کے لالچ اور خواہشات کے رنگیں خواب اور دولت و شہرت کے منصوبے یکسر ترک کرنے ہوں گے تاکہ ہم

پوری توجہ اس پر صرف کر سکیں۔ رزق کفاف پہ اکتفا لازم ہوگی۔ اور ہر کسی کو راہِ حق میں حسبِ مقدرت انفاق کرنا ہوگا۔

ٹھیک ہے کہ تم دفتر بھی چلاؤ، اتحاد بھی بناؤ، انتخابی سرگرمی میں بھی حصہ لو، پارلیمانی دائرے میں بھی قدم رکھو، مگر ان سارے دائروں میں بھی اصل مطلوب غلبۂ دعوتِ حق ہونا چاہیے۔

ہمارا نظریہ یہ بھی ضرور ہے کہ نیچے سے بھرپور طور پر دعوت کا کام ہوتا رہے تو اس کے ساتھ اگر اُوپر کی سیاسی سطح سے بھی کوئی مدد ملے یا ہم کسی مزاحم یا مخالف قوت کا زور دلائل سے قومی ایوان میں توڑ سکیں تو مفید ہوگا۔ مگر اس فارمولے کو اگر یوں بدل لیا جائے کہ اقامتِ دین کا کام تو بس اُوپر ہی سے ہوگا، نیچے کسی سُست رفتار سرگرمی کی ضرورت نہیں تو اُوپر سے ہونے والا کام یا تو بے کار ہو جائے گا یا بالکل بگڑ جائے گا[1] پس ہم میں سے ہر شخص کو کسان والا دعوتی کام پوری محنت سے کرنا چاہیے۔

بدقسمتی سے ہمارے ہاں اس سے بھی آگے جا کر یہ نظریہ کسی کسی دماغ میں کروٹ لے رہا ہے کہ ہماری تحریک اقامتِ دین مدت سے بڑی سُست رفتاری سے محدود طور پر کام کر رہی ہے، لہٰذا ایک تو ہمیں کسان والے دعوتی کام کو چھوڑ کر جلسوں جلوسوں اور ریلیوں کے ذریعے کام کرنا چاہیے۔ اور دوسرے ہمیں

---

[1] اسی سبب سے قرار داد مقاصد کے عملی دفعہ بن جانے اور متعدد دوسرے دینی اُمور کے جامۂ دستور و قانون پہن لینے کے باوجود عملاً کچھ نہ ہو سکا۔ یہی حال رہا تو شریعت بل بھی کچھ قانونی و دفتری و عدالتی پیرایوں پر اثر انداز ہونے کے باوجود اسلامی معاشرہ پیدا نہ کر سکے گا۔

بین الاقوامی سطح پر ڈپلومیٹک سرگرمیوں میں حصّہ لے کر اور سامراجی اکابر اور مسلم سربراہان مملکت کی باہمی کشمکش میں شریک ہو کر[1] ایک وسیع آفاقی سلسلۂ کار شروع کرنا چاہیے - اس نظریے کے تحت ضروری ہے کہ ہم بین الاقوامی اور بین الاسلامی معاملات میں صرف سنجیدہ و متوازن طور پر خاص موقعوں پر موافقانہ اور مخالفانہ یا احتجاجی رائے ہی نہ دیں اور مصیبت کے موقعوں پر اخلاقی، مالی یا غذائی یا ادویاتی امداد ہی نہ پہنچائیں - بلکہ کسی کی حمایت اور کسی کی مذمت میں ایسا شدید اور مسلسل طوفان اُٹھا دیں، گویا ہمارا اصل کام ہی یہی ہے - دعوت دینے کا بنیادی کام تو بچوں کا کھیل تھا جس کا دَور گزر گیا - اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ راجعون -

---

اوّل روز سے تحریک اسلامی کے لیے ہماری طے شدہ پالیسی بہ حقی اور بلا انقطاع اب تک جاری رہی کہ ہماری اصل فکری و انقلابی کشمکش کا دائرہ ہمارا اپنا معاشرہ ہے جب اسے اسلامی اُصولوں پر ڈھالنے کا کام ہم کر چکیں گے اور اس سلسلے کی مزاحم قوتوں اور سیکولرازم اور منافقت کے اُن علمبرداروں کا زور توڑ چکیں گے جو بظاہر جمہوریت کا ڈرامہ رچا کر عوام کی اکثریت کا استحصال کر کے، اور دماغوں اور ضمیروں کو جبر و مکر کے ہتھکنڈوں سے سُن کر کے، غیر اسلامی تہذیب و ثقافت اور مخالفِ ملّت قانون و تعلیم کے نظاموں کو ٹھونستا یا جاری رکھنا چاہتے ہیں - اس کے بعد وہ مرحلہ آئے گا کہ ہم اپنے معاشرے سے باہر کسی معاشرے کے لوگوں میں خود وہاں کے

---

[1] یہ سانپوں سے نہیں بلکہ شیروں اور ہاتھیوں سے کھیلنے کا خوفناک معاملہ ہے - بالعموم تمام تر اور خصوصاً سامراجی ممالک کے سربراہ آپ کو کئی طریقوں سے خوش کرنے کے بعد بڑی خوب صورتی سے اپنا بھی کوئی مطالبہ ایسا پیش کر سکتے ہیں جس کا تعلق ملک یا عالمِ اسلام یا جماعت سے ہو - پھر نہ جانے رفتن، نہ جانے ماندن والی صورت پیدا ہو جائے - اسی لیے ہمارے اسلاف خود مسلمان سلاطین سے دُور دُور رہتے تھے -

لوگوں کے ذریعے دعوتِ حق کا تعلیمی کام شروع کر کے اور پہلے سے ہو رہا ہو تو اُسے ایک مضبوط قوت میں بدل کر یہ تمنا کریں کہ کسی اور جگہ بھی ویسی ہی انقلابی کشمکش کا عمل فطری طور پر جاری ہو جائے۔

اِس سے پہلے ہمارا راستہ ہرگز یہ نہیں ہے کہ بین الاقوامی یا بین الانسانی سطح پر کچھ قیادتوں اور طبقوں کے خلاف براہِ راست اعلانِ جنگ کر دیں یا ان کو چیلنج کریں یا حصولِ مقصد کے لیے کسی کی غالیانہ حمایت کا ایک سلسلہ شروع کر دیں۔ اس سے آگے چل کر یہ تو بہت ہی خطرناک سلسلہ ہے کہ ہم مختلف معاشروں کی موجودہ ہیئتِ سیاسیہ پر ہی نہیں، ان کے حکمرانوں اور لیڈروں کے خلاف گھٹیا درجے کی ذاتی عیب چینی کریں۔ اور فتوے لگانے شروع کر دیں۔ اچھے اور بُرے کے معیارات بھی درست استعمال نہ کریں۔ اور کریں بھی تو بیرونی معاشروں میں تبدیلی کے لیے بے چینی پیدا کر کے کوئی ایسا راستہ بنا کے دینے پر قادر نہ ہوں، جس کے نتیجے میں پہلے سے بہتر اربابِ اقتدار و اصحابِ قیادت جگہ لے سکیں۔ بلکہ دوسرے معاشروں کے عوام اور حکمرانوں اور قائدوں میں ایسی پریشانی ڈال دیں کہ جو نظام وہاں چل رہا ہے، اس میں بھی ضرر رساں خلل واقع ہونے لگے۔

جس کھیتی کا بہ طور کسان ہم نے چارج ہی نہیں لیا، جس کی مٹی، جس کے موسم، جس کی پیداواروں، جس کے نظامِ آبپاشی، جس کی ضرر رساں قوتوں اور ان پر قابو پانے کے حالات و معلومات ہی ہم نہیں رکھتے، اس کے معاملات میں محتاط حدوں سے بڑھتی ہوئی مداخلت کیوں؟

ہماری سابق پالیسی یہ چلی آرہی ہے کہ اپنے معاشرے میں کشمکش کرتے ہوئے ہم بیرونی دُنیا کے جس حصّے سے بھی کوئی قوت یا تعاون یا حسنِ تعلقات اور جہاں عمومی علمی دعوت کے جاری رکھنے کے کچھ موافق حالات ہم پالیں، اُن کے بل پر اپنے کام کو مضبوط کریں۔ نہ یہ کہ اسلامی یا عام انسانی طاقتوں کو اُکسا اُکسا کر اپنے خلاف متحرک کرتے رہیں۔ اور جو سہولتیں کہیں حاصل ہوں اُن کو ضائع کر دیں۔

پھر سوال یہ بھی ہے کہ جب خود اپنے ہی معاشرے کے حالات پہلے سے دسیوں گنا زیادہ ابتر ہوں، حتیٰ کہ ہم خود اپنے گھروں اور اپنے بچوں، بلکہ خود اپنی شخصیتوں کو کامل طور پر پورے اسلام کے حوالے نہ کر سکے ہوں تو پھر بات تو وہی ہوتی کہ:

تو کارِ زمیں را نکو ساختی
کہ بر آسماں نیز پرداختی

اپنے معاشرے کا یہ حال ہے کہ علمی، تعلیمی، اقتصادی، اخلاقی، سیاسی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی ہر لحاظ سے ہمارا اگراف تیزی سے پستی کی طرف جارہا ہے۔ جرائم کی نہ صرف رفتار شدید تیز ہو گئی ہے، بلکہ ان میں گھناؤنا پن اور وحشیانہ پن آ گیا ہے۔ خاص طور پر انسانی اور اسلامی ہر قدر اور تقاضے کو انسان نما بہائم نے غلاظت آلود قدموں سے کچلنا اپنے لیے لازم ٹھہرا لیا ہے۔ سال دو سال کے تمام بڑے بڑے قتل، اغوا، قومی دولت کی لوٹ مار، محافظینِ امن اور منتظمینِ ادارہ ہائے قومی کی طرف سے قانون سے مذاق، مجرموں کی سرپرستی اور رشوت و خیانت کے اذیت ناک کارنامے، شریف ترین شہریوں سے پولیس کا دردناک اور شرمناک سلوک اور ان کے منفرد ڈگری کے طریقہ ہائے تفتیش، ان سارے حالات کو دیکھیے، علماء کے فرغلوں میں تفرقہ بازوں کو دیکھیے، جاگیرداروں کے کارنامے ملاحظہ کیجیے، غیر اسلامی عصبیتوں کی ننگی تلواریں ہر طرف چمکتی دیکھیے، اسلام کو جس طرح اس ملک کے کارپردازوں نے ۴۴ برس تک فٹ بال بنائے رکھا ہے اس کا توہین آمیز منظر ملاحظہ کیجیے، قومی زبان اردو کو صوبائی اور انگریزی زبان سے بنے ہوئے پلاس کے جبڑوں میں رکھ کر کچلے جاتے ہوئے ملاحظہ فرمایئے۔ ثقافت کے روز بروز بڑھتے چونچلوں کو دیکھیے، ہر روز عصمتوں کی تاراجی کے شائع ہونے والے واقعات ہی کی گنتی کر دیکھیے، بنکوں، گاڑیوں اور ریلوں کی ڈکیتیوں کے واقعات کا فلم نگاہوں سے گذاریے۔ اعلیٰ ضیافتوں میں کھانوں پر وحشیانہ طور پر ٹوٹ پڑنے کے ڈرامے دیکھیے، ـــ پھر سوچیے کہ ان حالات میں کیا اسلام محض اوپر سے عوام کے سینوں میں قانون کی چھینی سے اتارا جا سکتا ہے، یا کیا وسیع

عالمی ڈپلومیسی کی شطرنج میں شرکت کرنے سے یہ خواب پورا ہوسکتا ہے۔

آنکھیں کھول کر حالات کو دیکھیے۔ ان وحشیانہ حالات کو سوائے اس کے بدلنے کی کیا تدبیر ہے کہ دَورِ روانہ کی پُرشکوہ دلچسپیوں کو چھوڑ کر ایک ایک فرد کو صحیح عقیدے قبول کرنے اور تمام معاملات پر ٹھنڈے طریق سے اسلامی نقطۂ نظر کے تحت غور کرنے کا عادی بنایا جائے۔ اور پھر اُن پر خوفِ خدا کی اسپرٹ کے ساتھ عمل کرنے کی تربیت دی جائے۔

انسانی اخلاق و کردار اور سوچنے کے زاویوں اور خیر و شر کے پیمانوں اور نقشۂ عادات و اطوار کو بدلنے کا اور کوئی طریقہ انسانیت دریافت نہیں کرسکی۔ یہ تو اسلامی شعور دلانے کے لیے تعلیم بالغاں اور تربیتِ بالغاں کا ایک کام ہے۔ ہنگامہ و غوغا جتنا بڑھے گا، یہ مہم کمزور ہوتی جائے گی۔ اور زیرِ دعوت اور محو دعوت کارکنوں کو جتنا زیادہ پُرسکون اور سنجیدہ ماحول فراہم کیا جائے گا، اتنا ہی تعمیرِ انسانیت کا بنیادی کام زور پکڑے گا۔ دعوت جو خدا کی عبادت اور اس کے بندوں کے لیے خیرخواہی و خدمت کی جامع ہے، اسے نہ صرف بحال رہنا چاہیے بلکہ ہر قسم کے حالات میں اسے روز افزوں پھیلاؤ اختیار کرنا چاہیے۔ یہ بغیر کسان کی سی محنت کے ممکن نہیں۔

ہجومی اور غوغائی سیاست جتنی بڑھے گی اور بین الاقوامی قوتوں سے ڈپلومیٹک سلسلۂ موافقت و مخالفت جتنا پُرکشش ہوتا جائے گا، انسانوں کی اسلامی تعلیم اور اخلاقی تزکیہ کا کام اتنا ہی غیراہم اور غیر دلچسپ ہوتا جائے گا۔ دوسرے لفظوں میں اپنے معاشرے کی تخریبی قوتیں اور زور پکڑتی جائیں گی اور ہم مسلسل سکڑتے اور بھنچتے چلے جائیں گے۔

ایک خاص مسئلہ یہ ہے کہ اگر بگڑتے ہوئے ماحول میں دعوت الی الحق اور دعوتِ اقامتِ دین کا کام نہ کیا جائے اور اس کام کے ضروری سرمائے کے طور پر علم و مطالعہ اور خدمت و کردار کو اپنے اندر اور اپنے گھر کے اندر مہیا نہ کیا جائے تو پھر خود اپنے آپ کو بھی بگاڑ

کی تُند لہروں سے بچانا ممکن نہیں رہتا۔ فتنہ کی بھڑکتی ہوئی اور بڑھتی ہوئی آگ کی روک تھام کا کوئی امکان، سوائے تعلیم و تلقینِ دین اور اس کے ذریعے صلاح و فلاحِ معاشرہ کی مہم جاری رکھے بغیر نہیں ہے۔ جو داعی جتنا ڈھیلا پڑے گا۔ اتنا ہی اس کے خیالات اور رویوں اور معیارات اور دلچسپیوں میں فساد گھس آئے گا۔ اور اس کے ساتھ اس کے گھر، اس کے حلقہ ہائے ربط اور اس کے ادارے بھی بھی جڑ پکڑے گا — یہاں تک کہ ایسا آدمی تحریکی دائرے میں اس چھوت کو دوسروں تک پہنچا کر اور زیادہ تباہی پیدا کر دے گا۔ یعنی افراد کی کمزوریاں اجتماعیت کو روگ لگا دیں گی۔

لہٰذا تحریکِ اسلامی کے لیے کوئی بھی نتیجہ خیز بجز اس صورت کے نہیں ہو سکتا کہ بنیادی دعوت کے ذریعے ایمان، تنظیم اور تزکیہ کی مہم ہر دور میں، ہر قسم کے حالات میں، ہر دائرے میں پوری اہمیت اور زور کے ساتھ جاری رکھی جائے۔ جہاں اس میں کمی آئی، قلعۂ تحریک کی فصیل میں دراڑیں پڑنا شروع ہو جائیں گی۔

ایک بار خدا کا نام لے کر، داعیٔ اقامتِ دین بن کر شُہَدَاءَ عَلَی النَّاس کا منصب سنبھال کر، اُس کا عہد یا اعلان یا مظاہرہ کر کے، طاغوت شکن انقلاب کے راستے پہ قدم بڑھا دینا آدمی پر بہت بھاری بارِ امانت لاد دیتا ہے۔ اس محاذ کے سپاہیوں میں سے اگر کوئی ضعف و استکانت دکھلائے یا پیٹھ موڑے تو وہ تقریباً ویسے ہی جرم کا مجرم ہوتا ہے۔ جیسے قتال فی سبیل اللہ کی صفوں سے فرار۔

آج جسے اسلام عزیز ہے اور جو پاکستان میں اس کو سربلند کرنا چاہتا ہے، اُس کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ اسلام کے پیروکار اور اسلام کے بے لوث علمبردار پیدا کرنے کی وہ پیغمبرانہ مہم شروع کر دے جس کی مثال کسان کے کام سے ملتی ہے۔ یہ کام نہ ہو یا بھرپور طور پر نہ ہو تو باقی سب بیکار۔

انسانیت کے سچے خیر خواہ، ملّتِ اسلامیہ کے حقیقی خادم اور پاکستان کے تحفظ و استحکام کے پاسدار اور معاشرے کی صلاح و فلاح اور بین الاقوامی دائروں میں گہری اثر اندازی کرنے والے لوگ وہی ہو سکتے ہیں جو کشتِ تاریخ کے اپنے اپنے حصے کے

قطعوں میں دعوتِ حق کے لیے کشا درزی اور تخم ریزی کا کام محنت و صبر سے کر سکیں۔

ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اس کام کو ایک ایک فرد اپنی اپنی سوچ اور اپنے اپنے علم اور اپنے اپنے ذرائع کے مطابق الگ الگ صحیح طور پر انجام نہیں دے سکتا۔ اس کام کے لیے اجتماعیت ضروری ہے۔ بہت سے کاشت کارانِ حق مل جل کر اپنے معاشرے کے مختلف دائروں میں باہمی مشورے سے منصوبے بنا کر کام کریں اور ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اُٹھائیں۔ اور اپنی اپنی مشکلات کے حل باہمی بحثوں سے دریافت کریں، اور پھر ہر موسم اور مرحلے کے لیے نظامِ اجتماعیت سے ہدایات حاصل کریں۔

یہ کام ایک امیر اور اس کے معاونین (اولی الامر) کے ذریعے چلتا ہے۔ لیکن دُنیا میں سب سے مشکل کام کسی انسانی ریوڑ کا راعی بننا ہے۔ کیونکہ پیچھے چلنے والے بھیڑ بکریاں نہیں ہوتے۔ بلکہ اپنے انتخاب کردہ امیر اور اربابِ شوریٰ جیسے انسان ہوتے ہیں۔ وہ ویسا ہی ایمان رکھتے ہیں، خود اجتماعیت کی مشینری کے پرزے بن کر عملاً کام کرتے ہیں۔ اور ان کی مرضی سے کسی امیر کی امارت اور کسی مشیرِ امر کا شورائی مرتبہ قائم رہ سکتا ہے۔ وہ اگر راضی خوش اور مطمئن رہیں تو کام ٹھیک چلے گا۔ وہ اگر پریشان اور بددل ہو جائیں تو افرا تفری یا جمود و یاس یا چہرمی گوشیوں اور ٹولیاں بننے کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ جس سے اجتماعیت کی مشینری بگڑ کر کام کو خراب کرے گی اور کام کرنے والے زراعت کارانِ حق بھی پراگندہ فکری میں اُلجھ کر اپنے فرائض ادا نہ کر سکیں گے۔

اِن خطرات سے بچنے کے لیے دعوتِ حق کا کام کرنے والوں کو اجتماعیت کی ایک مشینری کا خاکہ دینِ حق نے دیا ہے، اس کے ساتھ ضروری اُصول دیئے ہیں، ہدایات دی ہیں اور ممنوعات کے نشان لگائے ہیں۔ ان میں سے ایک مرکزی حقیقت یہ ہے کہ جس شورائی نظام پر ہماری اجتماعیت بنی ہے، اس کے دو پلڑے ہیں: ایک سمع و طاعت کا، دوسرا تنقید و احتساب کا! قدرتی طور پر ہر لیڈر، بادشاہ، وزیر اعظم

وغیرہ اپنے پہلے پلڑے کی تو پوری فکر کرتا ہے کہ اس کی ہر بات پر آمنّا و صدّقنا کہا جائے اور اس کے مطابق پورا انسانی گلہ اس کے اشاروں پر چلے، مگر دوسری جانب وہ اجتماعیت کی اصل قوت، یعنی ارکان اور ان کے چنے ہوئے نمائندوں کو کئی مختلف طریقوں سے تنقید و احتساب سے روکتا ہے۔ بسا اوقات یہ روکنا بھی غیر اطمینان بخش ہوتا ہے کہ وہ ناقدین و محتسبین کی بات سنے بھی، اس کا کوئی مدلل جواب نہ دے اور نہ کبھی اس کی تائید بھی کر دے، مگر عملاً چلے اسی رویے پر جس سے شکایات پیدا ہوتی ہوں۔

پس میں چاہتا ہوں کہ اسلامی اجتماعیت کے شورائی نظام میں سمع و طاعت کے متقاضی عہدے اپنے سامنے والوں کی سوچ بچار کو تحقیر اور بے وقعتی سے نہ دیکھیں اور ان کے سوالات اور اعتراضات، شکوک و شبہات، تنقیدی مباحث اور احتسابی جائزوں کو نہایت محبانہ طریق سے سنیں، اُن کو ٹالنے کے بجائے ہنسی خوشی بالراست ان کا جواب دیں، ان کے سامنے جذباتی مغالطہ انگیزیاں نہ کریں۔..... طرح طرح کی خوشخبریاں اور ملکوں ملکوں کی داستانیں اور بین الاقوامی فتوحات کے قصے سنا سنا کر ان کو بہکانے یا بہلانے سے اجتناب کریں۔ یہ چیز اسلامی نظام اجتماعیت کے خلاف ہے اس سے دُنیا ہی میں اپنا مجوزہ کام خراب نہیں ہوتا۔ بلکہ آخرت میں خدا کی ناراضی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیزاری کا خطرہ بھی واضح ہے۔ کیونکہ یہاں تو عہدوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ "اِنَّهَا اَمَانَةٌ وَاِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَّ نَدَامَةٌ" (صحیحین)

یعنی معاملہ مذاق کا نہیں، ٹال مٹول کی گنجائش اس میں نہیں، نہایت سنجیدہ فریضہ ہے کہ جتنا بڑا عہدہ ہو اس کو اتنی ہی بڑی امانت — خدا کی بھی اور خدا کے ان بندوں کی طرف سے بھی جنہوں نے آدمی کو اپنی آراء سے یہ ذمہ داری سونپی ہو — سمجھا جائے اور اس کے بارے میں خوف کھایا جائے کہ اس میں کوتاہی اور لغزش یا کوئی دانستہ ہیر پھیر یا مغالطہ انگیزی، یا کسی ضروری بات کو گول کر دینا یا لیپا پوتی کر کے

وقت گزارتا آخرت میں ندامت و رسوائی کا باعث ہوگا۔ اور حضورؐ کا یہ انتباہ بہت سخت ہے۔

یہاں میں اجتماعیت کے پورے نظام اور اس کے احکام وضوابط کو بیان کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا، بس صرف ایک اشا ضروری حقیقت کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ اس پر اگر توجہ نہ کی جائے گی تو ہمیشہ مشکلات پیش آئیں گی، نظامِ شورائی ہمیشہ بگڑے گا اور دعوت کا کام ہمیشہ تباہ ہوگا۔

وہ حقیقت یہ ہے کہ بسا اوقات کوئی ایک جزئی واقعہ خواہ وہ کتنا ہی بڑا یا اہم ہو، قیادت اور جماعت کے درمیان یک لخت بے اعتمادی کی خلیج حائل نہیں کر سکتا۔ ہوتا یہ ہے کہ اگر اُوپر سے پالیسیوں کے بننے، ان پر عمل کرنے، احکام کے نافذ ہونے، نئے نئے اجنبی پروگراموں کے اختیار کرنے، معیارات اور طریقہ ہائے کار کو بدلنے کے واقعات مسلسل اس طرح وارد ہوں کہ چاہے بجائے خود ہر واقعہ چھوٹا بھی ہو مگر اس رائی کے پیچھے پربت چھپا ہوتا ہے۔ ایسے ہر امر پر سوالات پیدا ہوتے ہیں، تحیر پیدا ہوتا ہے، پریشانی پیدا ہوتی ہے۔ مگر جلد ہی اس سے اگلے قدم کی باری آجاتی ہے یا کوئی بڑا مسئلہ توجہ کھینچ لیتا ہے۔ اس طرح لاینحل رہ جانے والے سوالات و اضطرابات کے تاروں کی گتھیاں سی بن جاتی ہیں، ایسے حالات میں پہلے خاموش کرب ہوتا ہے۔ پھر دھیمی دھیمی آوازیں اُٹھتی ہیں۔ پھر ایک ہنگامہ نمودار ہو جاتا ہے۔ اُس وقت کوئی دلخوش تقریر، مستقبل کا کوئی شاندار خواب، عالمِ اسلام یا بین الاقوامی سطحوں کے اہم واقعات و حوادث کے مفید پہلو سامنے لانے یا خطرات کا اثر طاری کرنے سے ذہنوں کی وہ گتھیاں نہیں سُلجھتیں بلکہ ان میں اور زیادہ پیچ پڑتے ہیں۔

اس صورتِ حالات سے اگر کبھی کوئی قوت دوچار ہو جائے تو اوّل تو اس میں اتنی بڑی اخلاقی جرأت ہونی چاہیے کہ وہ اپنے کسی غلط طرزِ عمل کی مختلف کڑیوں کو اکٹھے ہی توڑنے کے لیے صاف صاف اعتراف کر لے کہ اب تک ہم نے بہت سے غلط موڑ مُڑے اور اب ہم تاریخ کی گاڑی کا رُخ درست رکھیں گے اگر ایسا ہو تو یہ

بات پلے باندھ لینی چاہئے کہ جماعت کے نصف صدی کے زیرِ عمل اُصول اور طریقِ کار اور اس کے مزاج اور تشخص کی پروا کئے بغیر کوئی چیز اس پر ٹھونسی نہ جائے — محض یہ بات کافی نہیں کہ کوئی قیادت اس کو اچھا سمجھتی ہے۔ کیوں نہ وہ پہلے جماعت کے سامنے غیر جذباتی انداز سے دلائل رکھ کر اسے اپنا ہم نوا بنائے اور اس قابل کر دے کہ لوگ اپنوں بیگانوں کے سامنے کسی مسئلے کو خود اپنا مسئلہ سمجھ کر اپنی جانب سے دلائل دیں اور ایمان و ضمیر کی پوری قوت کے ساتھ دیں۔ اسلام کی شورائی اجتماعیت کے تحت کام چلانے والوں کو یہ بات کبھی فراموش نہ ہونی چاہیے کہ وہ جس ریوڑ کو لے کر چل رہے ہیں — وہ بھیڑ بکریوں اور مویشیوں کا ریوڑ نہیں ہے۔ وہ انسانی جماعت ہے، ہر شخص ایمان، عقل اور خودی (کم و بیش) رکھتا ہے، ہر شخص سوچتا ہے ہر شخص ماضی اور حال کے ربط و تسلسل کو دیکھتا ہے۔ ہر سال پچھلے کام کے رنگ ڈھنگ کے ساتھ نئے طور اطوار کو ملا کر جانچتا ہے۔ ہر شخص اپنے بڑوں کی ذہنی سطح کو بھی ناپتا ہے۔ پُرانے پیمانے بھی اس کے پاس ہیں اور نئے بھی۔ ایسے لوگوں کو لے کر چلنے کا یہی طریقہ ہے کہ ہر شخص کو محسوس کرایا جائے کہ سارے کام اور فیصلوں میں تمہاری حصہ داری (PARTICIPATION) ہے۔ تمہارے مسائل اور رجحانات اور تجاویز ہمارے سامنے ہیں۔ تمہارے اعتراضات اور احتسابات پر ہماری پوری نظر ہے۔ ہم تمہاری ساری ایمانی اور شعوری متاع کو بہت قدر و محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس سے اثر لیتے ہیں۔ نیز منصوبے اور پالیسیاں بنانے میں ملحوظ رکھتے ہیں۔ ہماری پالیسیاں اور منصوبے کسی فرد کا کارنامہ نہیں ہیں، بلکہ پوری جماعت ان کی تشکیل میں شامل ہے۔

یہ مقام اگر حاصل نہ کیا جائے تو کسی ایک یا دو یا تین مسئلوں میں پینترے بدلنے یا وضاحتیں دینے اور اپنے آپ کو غلطی سے محفوظ ظاہر کرتے سے بد اعتمادی کی خلیج کبھی پاٹی نہیں جا سکتی۔

یہ باتیں ہیں نئے آنے والوں کے ہاتھوں تشکیل پانے والے مستقبل کا امکانی

نقشہ سامنے رکھ کر عرض کر رہا ہوں۔ تاکہ ہماری اجتماعیت یا قائدین اور ارکین کا رشتہ دعوتِ حق کے کسان جیسے محنت طلب اور صبر طلب کام کے لیے مفید ثابت ہو۔ اور خدا کرے کہ میرا حصہ بھی اس مہم میں درست طور پہ ادا ہو۔ اور میں عنداللہ اپنے بنیادی کارِ دعوت میں کوتاہی کا، یا احباب کو توجہ دلانے میں مداہنت کا قصوروار قرار نہ پاؤں۔